رجسٹر نمبر اے ۹۳۳
ٹیلی فون نمبر ۵۰

تار کا پتہ
"انجمن علی گڑھ"

M. HABIBUR REHMAN SA...
Hony. Secretary,
Anjuman Taraqqi-e-Urdu,
Himayat Nagar,
HYDERABAD (DECCAN).

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) کا پندرہ روزہ اخبار

فی پرچہ دو آنے
سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۴۴	یکم اپریل ۱۹۵۵ء	اڈیٹر:- قاضی عبدالغفار	۷ شعبان ۱۳۷۴ھ	نمبر ۷

صحافتی اخلاقیات

... انجمن ترقی اردو کا مخالف ... ہوتا ہے اور جو ذمہ دار اخبار سمجھے جاتے ہیں وہ اگر ذرا سی ... نظری کی وجہ سے کوئی مخالفانہ تنقید کریں تو اس پر ہمیں تعجب نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ یہ رنگ تو ہماری صحافت میں عام ہے۔ لیکن جب کوئی بڑا اخبار ایسی تنقید کرے جو حقیقت حال کے متعلق ناواقفیت اور جہل پر مبنی ہو تب یقیناً ہم حیران ہوتے ہیں۔ چند روز ہوئے دہلی کے اخبار ہندوستان ٹائمز نے جو کانگریس کا اخبار سمجھا جاتا ہے اور جس کے ایڈیٹر مہاتما گاندھی کے صاحبزادے ہیں۔ اردو زبان کے متعلق انجمن کے طرز عمل پر اسی قسم کی تنقید کی تھی۔ حال ہی میں بمبئی کے ٹائمز آف انڈیا نے جو سیٹھ ڈالمیا کا اخبار بتایا جاتا ہے انجمن ترقی اردو کی تحریک پر تنقید کی ہے اور صوبائی اسمبلی میں وزیر مالیات حافظ ابراہیم صاحب کے اس بیان کو اچھالا ہے جو انھوں نے اپنی بجٹ کی تقریر میں دیا تھا۔ ٹائمز آف انڈیا کے اداریہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

"مئی ۱۹۵۰ء میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نے اپنی ایک قرارداد میں جو قومی اور علاقائی زبانوں کے متعلق منظور کی گئی تھی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اردو کو اس کا صحیح مقام دیا جائے اس کے بعد بدقسمتی سے اتر پردیش میں دستخطوں کی مہم شروع کر دی گئی اس کے بعد انجمن ترقی اردو نے پریسیڈنٹ کو ایک یادداشت پیش کی جس میں ان سے درخواست کی گئی کہ وہ اتر پردیش کی حکومت کو ہدایت کریں کہ اردو کو اس ریاست کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ لیکن معقول واقعات اور اعداد کی روشنی نے زیادہ جارحانہ مطالبات مسترد کر دیا۔ ان واقعات اور اعداد سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ صرف (۴۳) لاکھ آدمی چھ کروڑ پینتیس لاکھ کی آبادی میں اردو بولتے ہیں۔ اور اتر پردیش میں صرف پانچ اضلاع ایسے ہیں جن میں دو لاکھ سے زیادہ اردو بولنے والے ہیں۔ اب چونکہ یہ مصنوعی شورش قدرتی طور پر مر چکی ہے، اتر پردیش کی حکومت نے یہ اچھا کیا کہ اس غلط فہمی اور ابہام کو رفع کر دیا جو اردو کے متعلق اسکی پالیسی کی نسبت پیدا ہو گیا تھا جیسا کہ اپنی بجٹ کی تقریر میں دوسرے موضوعات سے ہٹ کر اتر پردیش کی وزیر مالیات نے بتایا حکومت نے اردو کے ٹیچروں کی تعلیم اور ان بچوں کے لئے جن کی مادری زبان اردو ہے تعلیمی کتابوں کی فراہمی کا انتظام کر دیا۔ یہ اصول کہ ایک حد تک بچوں کو ان کی بولی کی زبان میں تعلیم دی جائے سرکاری طور پر تسلیم شدہ ہے۔ سرکاری دفاتر میں بھی اردو کی درخواستیں بدستور قبول کی جائیں گی۔ شری محمد ابراہیم نے اپنی تقریر میں کہا کہ گورنمنٹ ہمیشہ اس کے لئے تیار ہے کہ وہ اردو کی وہی ہمت افزائی اور تائید کرے جو وہ اتر پردیش کی دوسری غیر سرکاری زبانوں کی کرتی ہے۔ بغیر ضروری طور پر حکومت کے کاموں کو دگنا کر دینے کے بجائے جس میں حکومت کا خرچ بڑھ جاتا یہ اعلان ان تمام مطالبات کو

پورا کرتا ہے جو گزشتہ سال پریسیڈنٹ کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ اردو کے مستقبل کے متعلق بہ حیثیت ایک ملکی زبان کے یہ اعلان تمام شبہات کو دور کر دے گا۔

(ٹائمز آف انڈیا۔ بمبئی۔ ۵ مارچ)

اس تنقید کے جواب میں انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری نے جو کچھ لکھا وہ حسب ذیل ہے:-

"بخدمت اڈیٹر صاحب ٹائمز آف انڈیا بمبئی۔

مجھے یہ لکھتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے اخبار کی ۵ مارچ کی اشاعت میں جو اداریہ لکھا اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اتر پردیش میں اردو کا سوال جس طرح پیدا ہوا اور ہمارے ملک کی مشترک تہذیب کے متعلق ارباب اقتدار کی مسلسل لاپروائی سے جو نتیجہ ظاہر ہوا، اور اتر پردیش میں اردو زبان کی حیثیت کے متعلق جو بحث شروع ہوئی، اس کی نسبت آپ کو صحیح معلومات حاصل نہیں ہیں۔ یہ سچ ہے کہ کانگریس کی ورکنگ کمیٹی نے یہ ہدایت کی تھی کہ اردو کو اس کا صحیح مقام دیا جائے۔ لیکن ورکنگ کمیٹی کی اس قرارداد کے بعد جیسا کہ آپ کا خیال معلوم ہوتا ہے دستخطی مہم شروع نہیں ہوئی۔ بلکہ اتر پردیش کی کانگریس کمیٹی اور اس کے صدر نے عام اعلان کیا کہ وہ ورکنگ کمیٹی کی اس ہدایت کی تعمیل نہیں کریں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ دستخط جمع کرنے اور دفعہ ۳۴۷ کے تحت پریسیڈنٹ سے رجوع کرنے کا خیال صرف اس وقت پیدا ہوا جب ہماری تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں اور ہم نے یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ لیا تھا کہ صوبائی کانگریس کمیٹی اور اس کے پریسیڈنٹ بے خوف و خطر ہائی کمانڈ کی ہدایات کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ عام ضرب المثل کے مطابق یہ وہ آخری تنکا تھا جس نے اونٹ کی کمر توڑ دی۔ پھر بھی کسی پبلک شورش کے شروع کرنے کے بجائے ہم نے اتر پردیش کے تعلیمی حکام سے رجوع کیا اور ان کے سامنے وہ دشواریاں پیش کیں جو اس ریاست میں اردو زبان کو پیش آ رہی تھیں۔ ان تعلیمی حکام نے بار بار وعدہ کیا کہ وہ اردو کے جائز اور دستوری حقوق کی حفاظت کریں گے۔ لیکن کچھ نہیں کیا گیا۔ یہ سچ ہے کہ وزارت تعلیم نے بعض احکام جاری کئے۔ لیکن ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ماتحت حکام نے ان احکام کی تعمیل کرنے کے بجائے بطور خود ایسے احکام جاری کر دئے جو وزارت تعلیمات کی پالیسی کے خلاف تھے۔

انجمن کے ایک وفد نے جس کے صدر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں تھے، اس صورت حال کو صوبائی وزیر تعلیم کے سامنے پیش کیا۔ پھر ہم عرصے تک اس بات کا بے نتیجہ انتظار کرتے رہے کہ وزارت تعلیم کوئی موثر کارروائی کرے گی۔ اس مایوسی کے بعد آخرکار انجمن نے یہ طے کیا کہ دستور کی دفعہ (۳۴۷) کے تحت پریسیڈنٹ سے رجوع کیا جائے۔ یہ بات صاف طور پر سمجھ لینی چاہئے کہ اردو زبان کی علاقائی حیثیت کبھی بھی مشتبہ نہ تھی۔ دستور نے اردو کو اپنی علاقائی زبانوں کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ اس نے پریسیڈنٹ کو صرف اس بات کا فیصلہ کرنا تھا کہ کسی خاص زبان کا علاقہ کونسا ہے۔ جب اتر پردیش کے ایک سے زیادہ وزیروں نے اردو کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کرنے سے علانیہ انکار کر دیا تو انجمن کے لئے دستوری حیثیت سے سوائے اس کے کوئی چارہ کار باقی نہ تھا کہ پریسیڈنٹ سے اپیل کرے۔ اس لئے دفعہ ۳۴۷ کے تحت صرف پریسیڈنٹ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اس بات کا فیصلہ کرے کہ کون سی زبان کس علاقے کی زبان ہے۔ تمام کوششوں میں ناکام ہو کر انتہائی مایوسی کی حالت میں ہم نے دستخطی مہم شروع کی اور بارہ مہینوں میں ہم نے ایک کروڑ [illegible] سے بیس لاکھ سے زیادہ ایسے ہندو اور مسلمانوں کے دستخط حاصل کئے جو اردو کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں۔

جس تحریک کو آپ غلطی سے شورش کہتے ہیں۔ اس میں کسی قسم کا تصنع نہ تھا۔ درحقیقت ہمارے کام میں شورش کا ہلکا سا اشارہ بھی نہ تھا۔ نہ کوئی نعرے تھے نہ پبلک مظاہرے۔ ہم نے بالکل خاموشی سے اپنا کام کیا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ہم خود اپنی تعریف کرتے ہیں کہ اس تحریک کو اس طرح چلایا گیا کہ ہم ہر قسم کے سیاسی اور فرقہ داری جھگڑوں کے امکانات سے بچ کر نکل گئے۔ اگر آپ نے غور سے ہماری یادداشت کو پڑھا ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ آپ زیادہ متوازن نقطہ نظر اختیار کرتے۔ دو سو برس سے یہ زبان ملک کی مشترک تہذیب کا نشان رہی ہے۔ اس طویل زمانے میں اس نے اپنے خزانے میں اس قدر کثیر لٹریچر اور روایات جمع کر لیں کہ وہ قدرتاً ان لوگوں کو عزیز ہے جو اس زبان کو اپنی مادری زبان کہتے ہیں۔ کیا یہ قرین انصاف ہے کہ ایسے لوگوں کو جو دستور کے کھلے ہوئے اصولوں سے اپنے حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں عام شورش پسندوں کا نام دیا جائے۔

مجھے اندیشہ ہے کہ آپ نے رپورٹ مردم شماری سے دھوکا کھا کر اتر پردیش میں اردو بولنے والوں کی تعداد (۴۳) لاکھ قرار دی ہے۔ میں ان اعداد کی صحت کو چیلنج کرتا ہوں جو بات ان اعداد کے ہیر پھیر میں مجھے عجیب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ مردم شماری کے نقشوں میں اردو کے ساتھ ہندستانی کا ایک خانہ بڑھایا گیا ہے۔ حالانکہ ہندستانی نام کی کسی زبان کو ہمارے دستور نے تسلیم نہیں کیا ہے۔ "ہندستانی" تو دراصل وہ نام تھا جسے قومی زبان کے لئے مہاتما گاندھی نے پسند کیا تھا تاکہ وہ دونوں رسم الخط میں لکھا جائے۔ درحقیقت یہ تھا

گاندھی جی ہندی اور اردو دونوں کو ایک ہی زبان کی دو شکلیں مانتے تھے لیکن جن لوگوں نے مردم شماری کی رپورٹ لکھی، انھوں نے اردو کے مجموعی اعداد کو اس نیت سے مصنوعی طور پر تقسیم کر دیا کہ اس زبان کی جس کا وطن اتر پردیش میں دو سو برس سے ہے اہمیت کو کم کر دیا جائے۔ لیکن اگر دونوں کے اعداد کو یکجا کیا جائے تب اتر پردیش میں ہندستانی اور اردو کے بولنے والوں کی مجموعی تعداد ایک کروڑ سے زیادہ ہوتی ہے نہ کہ (۴۳) لاکھ۔ علاوہ بریں اس بات کو بھی نہ بھولنا چاہیے کہ جو (۲۱) لاکھ دستخط ہم نے پریسیڈنٹ کے سامنے پیش کئے ان میں سے ہر شخص کے خاندان کی تعداد اگر پانچ تسلیم کی جائے تب بھی کل تعداد کم از کم ایک کروڑ ہو جاتی ہے۔ اس لئے ہندستانی اور اردو کی اس مصنوعی تقسیم کو محض ایک بہانہ سمجھنا چاہیے۔

ہمارے یادداشت کے بنیادی مقصد کے متعلق ایک عام غلط فہمی پر اس طرح زور دیا جاتا ہے کہ بنیادی مطالبے پر ضمنی مطالبات چھپا جاتے ہیں۔ ہماری یادداشت میں پہلا مطالبہ یہ تھا۔

"اردو زبان کو اتر پردیش کی علاقائی زبان تسلیم کیا جائے اور وہ سرکاری طور پر تمام ریاست میں استعمال کی جائے"

ان الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ ہمارا خاص مقصد اس حقیقت کو تسلیم کرانا ہے کہ اردو اتر پردیش کی علاقائی زبان ہے اور حکومت اس کو اسی طرح تسلیم کرے جس طرح دوسری علاقائی زبانیں مثلاً مرہٹی اور بنگالی اپنی اپنی ریاستوں میں اس حیثیت سے تسلیم کی گئی ہیں اور وہاں ان کو دوسرے درجے کی سرکاری زبان سمجھا جاتا ہے۔

ایک جمہوری ریاست میں وزارتیں اور وزیر آتے ہیں اور جاتے ہیں اور جو کوئی انتظامی کارروائی وہ کرتے ہیں وہ ایک عارضی کارروائی ہوتی ہے جس کو جب چاہے وہ کسی دن بھی ان رعایتوں میں ترمیم کر سکتا ہے یا انھیں منسوخ کر سکتا ہے جو ہمیں دی گئی ہیں۔ درحقیقت اردو کی حیثیت میں محض انتظامی احکام سے کوئی استواری پیدا نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کو وہ دستوری تحفظات نہ دے دئے جائیں جو اس کا حق ہیں۔

یہی ہمارا بنیادی مقصد ہے جس کی طرف ہم بڑھ رہے ہیں اور یہی وہ بات ہے جسے اتر پردیش کی حکومت تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ آپ کی یہ امید کہ اردو کی یہ تحریک اپنی موت آپ مر چکی اتر پردیش کے مخالف اردو لیڈروں کی خواہشات کا عکس ہے۔ ہم جس اصول پر کھڑے ہوئے ہیں وہ قطعی اور صاف ہے اور اب ہم پریسیڈنٹ کے آخری احکام کا اس اعتماد کے ساتھ انتظار کر رہے ہیں کہ انصاف کیا جائے گا۔ ہمارے ملک کا دستور موجود ہے۔ دفعہ ۳۴۷ موجود ہے، علاقائی زبانوں کی فہرست موجود ہے۔ جو دستور نے بنائی ہے اس لئے کوئی مخالفانہ تنقید ان کوششوں پر جو انجمن ایک ایسی زبان کی حفاظت کے لئے کر رہی ہے۔ جو اتر پردیش کے ایک کروڑ سے زیادہ انسانوں کی زبان ہے حق بجانب نہیں ہو سکتی۔"

(جنرل سکریٹری انجمن)

اس تنقید اور جواب تنقید پر کسی اضافے کی ضرورت نہیں۔ ٹائمز آف انڈیا نے اپنے مقام سے گر کر اپنی جہالت اور تنگ نظری کا جو مظاہرہ کیا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس اخباری تنقید کے پردے میں ادنیٰ فرقہ پرستی کا مکروہ چہرہ چھپا ہوا ہے اور اتر پردیش کی حکومت کے اعلان کی تائید کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ اردو کی مخالفت کا یہ موقع بھی کیوں ہاتھ سے ..... دیا جائے۔

ٹائمز کی اس تنقید سے ہمارے اس شبہ کی تائید بھی ہوتی ہے کہ مردم شماری کی رپورٹ میں جس طرح اعداد کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے۔ اس سے اردو کے مخالفین زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ کیا تعجب ہے کہ یہ اعداد صدر جمہوریہ کے سامنے بھی پیش کئے گئے ہوں اور یہ کہا گیا ہو کہ جس زبان کے بولنے والے ۶½ کروڑ کی آبادی میں صرف ۴۳ لاکھ ہوں اس کی افادی حیثیت ہو ہی کیا سکتی ہے! لیکن اس قسم کے جوڑ توڑ مخالفین اردو کے اندر ان کی شکست کا احساس ظاہر کرتے ہیں اور یہ سب سیاسی ہتھکنڈے ان کے جارحانہ محاذ پر "فرار" کی کیفیت ظاہر کرتے ہیں۔

ہلکے ہلکے اشارے

دہلی ۱۲ مارچ۔ کل دہلی میونسپلٹی کے بجٹ پر بحث کے دوران اردو کا مسئلہ بھی آیا۔ مسٹر شو چرن گپتا نے سب سے پہلے اردو کا سوال اٹھایا۔ انھوں نے اردو کے بورڈوں کو ہٹائے جانے اور اردو اسکولوں میں اردو میں ریکارڈ نہ رکھے جانے کی ہدایات کا ذکر کرتے ہوئے اردو کو نظر انداز کرنے اور پس پشت ڈالنے پر سخت نکتہ چینی کی۔ مسٹر گپتا کے علاوہ مسٹر رام چندر اگروال، مس سرلا گپتا، مسٹر نند، مولانا نذیر قریشی اور مسٹر عبدالستار نے بھی اردو کی حمایت میں تقریریں کیں۔ مس سرلا گپتا نے کہا کہ اگر بورڈوں پر بڑے حروف میں اردو کو نہیں لکھا جا سکتا تو نفی حروف ہی میں لکھوا دیا جائے۔

ان ممبران کے جواب میں صدر میونسپل کمیٹی نے کہا کہ وہ اردو کے مخالف نہیں ہیں، اور تینوں زبانوں یعنی ہندی، اردو اور انگریزی کو مانتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ انھوں نے صرف

انگریزی کے بورڈ بنوائے ہیں۔ اس پر متعدد ممبران نے دریافت کیا کہ پھر اردو کے بورڈ کہاں گئے ؟

صدر کی تقریر رگھویری ہندی میں تھی۔ اسے سن کر ایک ممبر نے کہا کہ وہ کچھ نہیں سمجھا......

——— پھر اردو کے بورڈ کہاں گئے ؟ یہ سوال ہی کچھ مناسب اور بے محل معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں یہ بڑا عیب ہے کہ وہ انگریزی کے ساتھ ہی ساتھ غائب ہونے لگتی ہے۔ جناب صدر اگر یہ فرما دیتے کہ اردو کے بورڈ چرائے گئے اور چوری کی رپورٹ پولیس میں لکھوا دی گئی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ جواب کافی اور مسکت ہوتا !!

——— حیدرآباد۔ ۱۵ مارچ۔ حیدرآباد اسمبلی میں آج زبان کا مسئلہ پھر ایک مرتبہ پیدا ہوا جب کہ مسٹر عبدالرحمٰن (محاذ) نے اسپیکر کے، لیس دیدیہ کو اطلاع دی کہ وزیر داخلہ کے رقمی مطالبات پر ان کی تحریکات تخفیف کو متعدد اسمبلی نے اس بنا پر رد کر دیا کہ وہ اردو میں پیش کی گئیں تھیں۔ مسٹر عبدالرحمٰن نے کہا کہ اسپیکر نے قبل ازیں رولنگ دی تھی کہ سوالات اور تحریکات ریاست کی کسی بھی زبان میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ البتہ ترجمہ میں کوئی ذمہ داری ہو تو اس کی ذمہ داری محرک پر ہوگی۔

اسپیکر نے رولنگ دی کہ تحریکات تخفیف انگریزی میں پیش کی جانی چاہئے۔ اگر کوئی رکن علاقائی زبان میں پیش کرنا چاہیں تو انہیں ایسے وقت دفتر معتمدی پر روانہ کرنا چاہئے کہ اس کے ترجمے کا موقع مل سکے۔

قائد مخالف جماعت مسٹر وی ڈی دیشپانڈے نے مسٹر عبدالرحمٰن کے ادعا کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ تحریکات تخفیف ریاست کی کسی بھی زبان میں قبول کی جانی چاہئے۔ کیوں کہ اکثر ارکان انگریزی سے ناواقف ہیں البتہ ترجمہ میں کسی قسم کی ذمہ داری متعلقہ رکن پر ہوگی۔ مسٹر اناجی راؤ گوہانی نے کہا کہ ارکان کی مشکلات کے مدنظر دفتر معتمدی کو تعاون کرنا چاہیے۔

——— ایک اور رکن نے اس مسئلے پر اسپیکر سے قطعی رولنگ چاہی۔

مسٹر بابی ریڈی (آزاد) نے تجویز کیا کہ ایسے اشخاص کو اسمبلی کے انتخابات میں حصہ لینے سے روکنے کے لئے قانون بنایا جائے جو انگریزی نہیں جانتے۔

مسٹر دیشپانڈے نے ارکان سے معتمد اور ان کے اسٹاف کے تعاون کو تسلیم کرتے ہوئے کہا کہ معتمد کو کسی رکن کی تحریک تخفیف اردو میں پیش کئے جانے کے باعث رد نہیں کرنا چاہیے۔

اسپیکر نے تجویز کیا کہ یہ مسئلہ تمام پارٹیوں کے لیڈروں سے مشورہ کے ذریعے حل کیا جا سکتا ہے۔ (الف۔ س)

——— پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے ٹنڈن جی نے شکایت کی کہ وزارت تعلیمات میں جن لوگوں کی سپرد ہندی کی ترقی کا کام ہے ان میں سے کوئی ہندی نہیں جانتا۔

——— وزیر تعلیم خود ہندی نہیں جانتے، وزیر اعظم ہندی نہیں جانتے، اور آدھے درجن دوسرے وزرا ہندی نہیں جانتے ——— آخر اس کا علاج کیا ہو ؟

——— آج کل دستور ہند کی بعض دفعات میں ترمیم کی جا رہی ہے کیوں نہ ٹنڈن جی بھی ایک ترمیم پیش کر دیں کہ آئندہ انتخابات میں کوئی شخص امیدوار نہ ہو سکے جو ہندی کی سند حاصل نہ کر چکا ہو۔ اور ایسا شخص وزیر اعظم یا وزیر بھی نہ بنایا جائے۔ اور وہ ہندی کیا ہو جس کی سند حاصل کی جائے اس کی بھی تعریف کر دی جائے۔ یعنی وہ ہندی جس کو بولنے والا مشکل سے بول سکے اور سننے والا مشکل سمجھ سکے !!

——— جب تک یہ نہ ہوگا ٹنڈن جی کی شکایت رفع نہ ہو سکے گی !!

اقتباسات

شمالی ہند میں اردو زبان کا خاتمہ

اردو زبان پڑھنے اور بولنے والے ہندوستان کے چار صوبجات میں ہیں :-

(۱) یوپی :- جہاں اردو مسلمانوں کی مادری زبان ہے، اور جہاں ہندو بھی کثرت کے ساتھ اس زبان کو استعمال کرتے ہیں۔

(۲) دہلی :- جہاں اصلی باشندوں کی زبان اردو تھی، وہ چاہے ہندو تھے یا مسلمان، اور جہاں سرکاری و عدالتی زبان اردو ہے۔

(۳) پنجاب :- جہاں مدارس کا کورس اردو میں تھا جس کے باعث ہر شخص اردو لکھ اور پڑھ سکتا ہے، وہ چاہے کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو اور جہاں سرکاری اور عدالتی زبان اردو ہے۔

(۴) حیدرآباد دکن :- جہاں حکمران اردو زبان کے سرپرست تھے جس باعث مدارس اور سرکاری کاروبار میں اردو استعمال ہوتی ہے۔

ان چار علاقوں کے علاوہ گو اردو بولنے والے قریب قریب ہر صوبے میں ملتے ہیں مگر سوائے ان علاقوں کے دوسرے صوبجات میں اردو نہ تو سرکاری زبان ہے نہ عدالتی، اور ملک کی تقسیم کے بعد اگر اردو زبان کی ترقی کے لئے کوئی میدان تھا تو صرف اوپر کے چار صوبجات میں۔ چنانچہ ہندوستان کی تقسیم کا اردو زبان پر کیا اثر ہوا اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ :-

(۱) یوپی کی گورنمنٹ کے بعض وزیر گو کبھی کبھی اسمبلی میں سوالات کا جواب دیتے ہوئے اردو کو اس صوبہ میں زندہ رکھنے کا اقرار کر لیتے ہیں

نگران جوابات کی حیثیت طفل تسلیوں سے زیادہ نہیں کیونکہ اس صوبے کے تمام مدارس میں صرف ہندی پڑھائی جاتی ہے۔ اردو کے اسکول بہت ہی کم ہیں۔ سرکاری کاروبار تمام کا تمام ہندی میں کر دیا گیا۔ اور اگر کوئی شخص اس صوبے میں اردو کے لئے کوشش بھی کرے تو اس کوشش کے کامیاب ہونے کا کوئی سوال نہیں کیونکہ وہاں کی گورنمنٹ اور اسمبلی میں زیادہ اکثریت دشمنان اردو کی ہے جو اردو کو صوبے میں زندہ دیکھنا اپنی مذہبی اور قومی توہین سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہمارا اندازہ ہے کہ آئندہ پچیس برس بعد جب کہ اسکولوں کے موجودہ طلبا جوان ہوں گے تو اس زمانے میں اردو کا پڑھنے والا بھی مشکل سے مل سکے گا اور لوگ صرف ہندی جانتے ہوں گے۔

(۲) دہلی گورنمنٹ کی موجودہ پالیسی یہ ہے کہ جتنی جلدی ممکن ہو اردو کی جگہ ہندی لے۔ عدالتی اور سرکاری کاروبار کو اردو کی ہندی میں منتقل کرنے کے لئے پورے زور سے تیاریاں شروع ہیں۔ اس صوبے کے مدارس میں سے اردو کا پتہ کٹ چکا ہے، یعنی کسی بھی سرکاری یا نیم سرکاری اسکول میں اب اردو پڑھائی نہیں جاتی اور میونسپل کمیٹی نے حکم جاری کر دیا ہے کہ آئندہ تمام کاروبار ہندی میں ہو اور جس صورت میں کہ اردو جاننے والوں کو آئندہ ملازمت ہی نہ مل سکے گی اور ان کا مستقبل بہت تاریک ہے تو وہ اردو کیوں پڑھیں۔ چنانچہ دہلی میں اردو کی قابل رحم حالت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو کے فاضل ترین ادیب اور شاعر حضرت جوش ملیح آبادی جن کے خاندان میں اردو زبان کے درجنوں بے مثل شاعر اور ادیب پیدا ہوئے اور جن کے خاندان میں سینکڑوں برس سے اردو کا سکہ رائج تھا، کے نواسے اب ہندی پڑھ رہے ہیں کیونکہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اردو زبان تو گیا، اردو جاننے والوں کا مستقبل بھی تاریک ہوگا۔

(۳) پنجاب کی حالت تو بہت ہی قابل رحم ہے۔ وہاں ہندی اور پنجابی کے درمیان کشمکش ہے اور کوئی فریق بھی چاہے وہ ہندو ہو یا سکھ اردو کو اس صوبہ میں زندہ رکھنے کے حق میں نہیں۔ چنانچہ پنجاب کے تمام مدارس میں ایک طالب علم بھی ایسا نہیں جو آج اردو پڑھ رہا ہو۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آج سے پچیس برس کے بعد اس صوبے میں اردو جاننے والے کتنے ہوں گے جبکہ موجودہ اردو جاننے والے تو ختم ہو چکے ہوں گے اور نئی نسل اردو سے قطعی ناآشنا ہوگی۔

(۴) ریاست حیدر آباد میں اردو تو نظام دکن کے زوال کے بعد ہی ختم ہو گئی کیونکہ وہاں کے اردو جاننے والے مسلمان احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔ ان کی زبانیں مفلوج ہیں اور نہ یہ کچھ کر سکتے ہیں۔ وہاں برسر اقتدار وہ لوگ ہیں جو اردو کو قطعی ختم کر دینے کے حق میں ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مرہٹی اور تلنگی زبانیں اردو کو زندہ چھوڑ دیں۔

ہندوستان میں اردو کی اس پوزیشن میں سوال یہ ہے کہ اس قابل قدر زبان کا کیا جرم تھا کہ ملک کی آزادی کے بعد اس کو ختم کیا جا رہا ہے۔ یہ بیچاری نہ تو ملک کی تقسیم کے حق میں تھی نہ پاکستان کے حق میں۔ یہ اپنی پچھلی تمام عمر کوشش کرتی رہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی خدمت انجام دے۔ اس نے سیاست میں کوئی دلچسپی نہ لی مگر پھر بھی اس کو اکثر حلقوں میں پاکستانی سمجھ کر قابل تعزیر قرار دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ خود پاکستان میں اس کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا گیا۔

یہ حالات چاہے کتنے بھی افسوسناک ہوں اور اردو کے خیرخواہوں کے لئے یہ منظر چاہے کتنا بھی دردناک ہو مگر واقعہ یہ ہے کہ اردو زبان شمالی ہندوستان میں سے ختم کی جا رہی ہے اور کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جو اس معصوم، بے گناہ اور قابل قدر زبان کو بچا سکے۔

(ریاست دہلی)

حکومت یوپی اور اردو!

نہ جانے اردو نے ایسا کیا قصور کیا ہے کہ اس پر عتاب کا سلسلہ ختم ہونے ہی میں نہیں آتا۔ اگر کوئی ایک ذمہ دار آواز اردو کے حق میں نکل جاتی ہے تو ہر طرف سے اس کے خلاف لے دے شروع ہو جاتی ہے۔ یوپی اسمبلی میں حافظ محمد ابراہیم وزیر خزانہ نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے اردو کے حق میں کچھ باتیں کہہ دی تھیں کہ اسمبلی کے کانگریسی ممبروں نے وہ واویلا مچایا کہ الامان والحفیظ۔ کسی نے کہا کیا حکومت ہندی کے سلسلے میں اپنی پالیسی بدل رہی ہے۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ الزام دیا۔ حکومت میں اس قدر دم خم کہاں کہ وہ ان نکتہ چینیوں کی تاب لا سکتی۔ لہٰذا صوبے کے وزیر اعلیٰ سمپورنانند جی نے بات صاف کر دی اور دل کی بات بھی کہہ دی۔ سمپورنانند جی نے حکومت کے نقطہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ:

"بجٹ تقریر میں جو کچھ کہا گیا ہے۔ اس سے نہ تو ہندی کی جگہ دوسری زبان کو سرکاری زبان بنانے کا اعلان کیا گیا ہے اور نہ کسی دوسری زبان کو علاقائی زبان تسلیم کیا گیا ہے۔ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اگر کوئی چاہے تو اردو میں بھی درخواست دے سکتا ہے جبکہ سرکاری سارا کام ہندی اور ناگری رسم الخط میں ہوگا۔ دوسری بات بجٹ تقریر میں وہ کہی گئی ہے جو شروع سے یوپی سرکار مانتی چلی آ رہی ہے۔ اور اب مرکزی سرکار کے تعلیمی بورڈ نے بھی اس بنیاد کو مان لیا ہے۔ یعنی یہ کہ کچھ بچے یا ان کے سرپرست یہ کہیں کہ ان کی مادری زبان اردو ہے تو ایسے اسکولوں میں جہاں اردو کو مادری زبان بتانے والے لڑکوں کی تعداد کم از کم چالیس ہو تو ابتدائی تعلیم یعنی درجہ پانچ تک پڑھائی اردو زبان میں ہو۔ پانچویں درجے کے بعد ساری تعلیم ہندی ہی میں ہوگی۔"

سمپورنانند جی کی اس وضاحت کے بعد یوپی میں اردو کا مسئلہ اسی حیثیت میں رہ جاتا ہے جس میں بجٹ پیش ہونے سے پہلے تھا اور وزیر خزانہ کی تقریر سے جو توقعات بہی خواہان اردو نے قائم کر لی تھیں وہ ختم ہو جانی چاہئیں۔ حکومت نے متعلق اردو کے سلسلے میں ذرا اظہار خیال کیا تھا۔ لیکن نکتہ چینیوں کو برداشت کرنا اس کے مسلک ہی میں

اس لئے اس نے مسئلے کو جہاں تھا وہیں پہنچا دیا۔

یہ دونوں باتیں جو وزیر اعلیٰ نے وضاحت کرتے ہوئے کہیں نئی نہیں ہیں۔ یوپی کی حکومت پہلے سے یہ کہتی آئی ہے۔ لیکن اس پر عمل درآمد کرنے والوں کے عمل کی ذمہ داری شاید اس پر نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس اعلان کے باوجود کہ اردو میں درخواستیں دی جا سکتی ہیں سرکاری دفاتر میں اردو کی درخواستیں لئے جانے کا کوئی رواج نہیں تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ یوپی اسمبلی کے ایوان میں سابق وزیر اعلیٰ پنڈت پنت نے بھی اردو میں درخواستیں دئے جانے کا اعلان کیا تھا۔ موجودہ وزیر اعلیٰ سمپورنانند جی نے بھی یہی کہا تھا۔ بجٹ تقریر میں وزیر خزانہ نے بھی کہا اور دونوں وزرائے اعلیٰ کے اعلانوں کا بھی حوالہ دیا۔ لیکن ہم نے پہلے بھی کہا تھا اور آج بھی کہنا چاہتے ہیں کہ ان تمام اعلانوں کے تحت اردو میں درخواستیں نہیں لی جاتی ہیں اور اگر لی جاتی ہیں تو وہ قابل غور و اعتنا قرار نہیں پاتیں۔ یہی صورت اردو میں ابتدائی تعلیم کی ہے۔ اگرچہ اب کچھ سلسلہ اردو میں ابتدائی تعلیم کا کہیں کہیں جاری ہو گیا۔ لیکن اس میں گورنمنٹ کے سرکلروں کو صرف اسی قدر دخل رہا کہ وہ آئے اور فائل کی زینت بن گئے تعمیل کنندگان نے ان کے تحت عمل درآمد کو ضروری نہیں جانا۔ اب بچوں کے سرپرستوں اور شہریوں نے ان سرکلروں کے حوالے سے زور دیا تو مقامی ذمہ داران تعلیم نے مجبور ہو کر صرف اس کا کہیں کہیں جاری کر دیا ہے لیکن سمپورنانند جی کا یہ اعلان کہ پانچویں درجے اردو کے بعد ساری تعلیم ہندی ہی میں ہوگی عجب الجھن میں ڈال رہا ہے، پانچویں درجے تک اردو میں تعلیم حاصل کرکے چھٹے درجے میں ساری تعلیم ہندی میں حاصل کرنا اور اردو میں تعلیم کا ختم کر دینا عجیب مختلف سی نوعیت پیدا کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ ادھر نہ ادھر یہ مسئلہ ارباب فہم اور بہی خواہان اردو کے لئے قابل غور ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندی سرکاری زبان بن چکی ہے اور اپنی بہبود و ترقی کے لئے اس کا حاصل کرنا ہر ایک کے لئے ناگزیر ہے لیکن ہندی کو فروغ دینے کی غرض سے اردو کا گلا گھونٹنا کسی عنوان صحیح و مفید نہیں ہو سکتا۔ اس کے معنی اردو دشمنی تو ضرور ہو سکتے ہیں ہندی دوستی نہیں ہو سکتے۔ اردو ہندوستان کی مقبول عام زبان ہے جس میں ملک کا بہت بڑا سرمایہ ملتا ہے۔ اسے ختم کرکے اس سرمائے سے ہاتھ دھو لینا کہاں کی عقل مندی کہی جا سکتی ہے۔ اگر وزیر خزانہ یوپی نے بجٹ پر تقریر کرتے ہوئے اردو کے حق میں کچھ جملے کہہ دئے تھے۔ اور ان جملوں کے تحت حکومت کچھ عمل بھی کرتی تو اس کے یہ معنی کب ہوتے ہیں کہ ہندی کے سلسلے میں حکومت نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی یا وہ ہندی کو سرکاری زبان برقرار نہ رکھ کر اردو کو یہی بنانا چاہتی ہے۔

اگر بعض ارباب فہم کا یہ خیال ہے کہ اردو کی مخالفت نہ کرنے اور اردو کے فروغ پانے سے ہندی کی ترویج و ترقی رک جائے گی تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان کی مقبول عام زبان ہندی نہیں بلکہ اردو ہے۔ ایسی صورت میں اردو کی مخالفت گویا عوامی رجحان سے اختلاف ہے جو موجودہ عہد جمہوریت میں کسی طرح درست نہیں اور ایسا ہے تو پھر اردو کا رواج پائے رہنا ہندی کی راہ میں اثر انداز نہیں ہو سکتا، ہندی رفتہ رفتہ اپنا مقام حاصل کرے گی۔ اردو اپنی جگہ رہے گی، اردو کے بہی خواہ اردو کے ..... بہی خواہ ضرور ہیں ہندی کے مخالف نہیں لیکن اس کے برخلاف دیکھنے میں یہ آ رہا ہے کہ ہندی کے بہی خواہ ہندی کے بہی خواہ ہوں یا نہ ہوں مگر اردو کے مخالف ضرور ہیں جہاں اردو کا نام آیا ان کے تلووں سے لگی اور سر سے نکل گئی، ہم ان نام نہاد جمہوری قدروں کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ ہندی کو ترقی دی جائے، اس کے رواج کی زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے اردو کے بہی خواہ اس کے مخالف نہیں وہ خود چاہتے ہیں کہ ہندی اپنا مقام حاصل کرے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ملک کی سرکاری زبان سیکھے بغیر اپنی ترقی کی راہیں وسیع نہیں ہو سکتیں، لیکن یہ وطیرہ کسی طرح پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندی کی ترقی و ترویج کی کوشش تو نہ کی جائے اور اردو کی مخالفت کی جائے اس طرح تو ساری کوشش صرف اردو کی مخالفت پر ختم ہو کر رہ جائے گی، جسے ہندی کی فلاح و ترقی پر صرف ہونا چاہئے۔

کاش ہندی کے وہ پرستار جو ہندی نوازی کے مظاہرے میں صرف اردو کی مخالفت کو اپنا نصب العین بنائے ہوئے ہیں سوچ سکیں کہ کسی زبان کی مخالفت سے دوسری زبان کی ترقی نہیں ہو سکتی اور اس طرح ساری کوشش رائیگاں جاتی ہے حالانکہ اب سے کچھ پہلے تک بعض کج فہم یہ سمجھتے تھے کہ پاکستان کی مخالفت بھی ہندوستان کی تعمیر و ترقی کا ذریعہ ہے لیکن تجربہ اور حالات نے بتایا کہ یہ توجیہ غلط اور نقصان رساں ہے کسی دوسرے ملک کی مخالفت سے اپنے ملک کی ترقی نہیں ہو سکتی تاوقتیکہ اپنے ملک کو ترقی دینے کی کوشش نہ کی جائے۔ چنانچہ جب سے نظریہ بدلا تو وہ وقت اور قوت دماغی جو پاکستان کی مخالفت میں صرف ہوتی تھی۔ ہندوستان کی تعمیر و ترقی میں صرف ہونے لگی اور ہندوستان ترقی کرنے لگا، کر رہا ہے اور کرے گا۔ اسی طرح ہمارا مخلصانہ مشورہ ہندی کے بہی خواہوں کو ہے کہ وہ اس سے سروکار نہ رکھ کر کہ اردو کے سلسلے میں کیا ہو رہا ہے کیا ہوگا اپنی ساری توجہ اور کوشش ہندی کی ترویج و ترقی پر لگا دیں اس کے بعد ہندی کی ترقی کو کوئی نہیں روک سکتا چاہے اردو بھی برابر پنپتی رہے اور وہ ضرور پنپتی رہے گی اس لئے کہ اسے ایک مقام حاصل ہے ورنہ اردو کی مسلسل و پیہم مخالفت تو دوسرے لفظوں میں ہندی کی ناکامی و ناپسندیدگی عام کا اعتراف ہے جو کسی طرح مناسب نہیں۔ (ناظم رامپور)

یوپی کی حکومت اور اردو

یوپی کی حکومت کے وزیر خزانہ حافظ محمد ابراہیم نے سال رواں کا بجٹ پیش کرتے ہوئے اردو کے حال زبوں پر کرم فرمایا اور کہا کہ یوپی کی حکومت اردو کی اسی طرح امداد کرے گی جس طرح وہ غیر سرکاری زبانوں کی کرتی

ہے۔ اور چونکہ یہ فقرہ بجٹ کی تقریر میں آیا ہے، اور بجٹ کی تقریر حکومت کی پالیسی کا اعلان ہوتی ہے اس لئے ہم اس فقرے کی اہمیت سے انکار نہیں کر سکتے۔ ضرورت ہے کہ اردو والوں کا ایک وفد یوپی کی حکومت سے ملے اور معلوم کرے کہ حافظ صاحب کی تقریر میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل کیا ہے اور انھوں نے جو کچھ فرمایا وہ محض پرانی باتوں کا اعادہ ہے یا پالیسی کا کوئی نیا عنوان ہے۔ کیا اس تقریر کے بعد اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں گی۔ کیا اردو یوپی کی علاقائی زبان قرار دی جائے گی۔ کیا اردو کے مکاتب و مدارس قائم کئے جائیں گے۔

یہ جاننا اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ غیر سرکاری زبانوں میں سنسکرت بھی ایک غیر سرکاری زبان ہے، اور خود حافظ محمد ابراہیم صاحب کے بجٹ میں بنارس میں ایک سنسکرت یونیورسٹی کے قیام کے لئے ایک بڑی رقم مہیا کی گئی ہے۔ اس لئے کیا اردو کی بھی کوئی یونیورسٹی لکھنؤ یا علی گڑھ میں قائم ہو سکتی ہے۔ ہم حافظ صاحب کے بیان کے اس فقرے پر محض مخالفانہ تنقید کر کے اس کی اہمیت ختم کرنا نہیں چاہتے، اور اس بیان نے حکومت کے ارادوں کی جانچ کا جو موقع بہم پہنچایا ہے اسے ضائع کرنا نہیں چاہتے اگر حکومت واقعی اردو کے لئے کچھ کرنا چاہتی ہے تو ہمیں اس کی پالیسی اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے۔

حافظ صاحب کے بیان کے سلسلے میں ایک مسئلہ ضرور پیدا ہوتا ہے کہ یوپی کی حکومت اردو کو ایک غیر سرکاری زبان سمجھتی ہے اور اس کے مقابلے میں اردو والوں کا مطالبہ یہ ہے کہ اردو یوپی کی علاقائی زبان قرار دی جائے۔ اب صورت یہ بنتی ہے کہ اگر اردو علاقائی زبان قرار دے دی گئی تو یوپی میں اس کی سرکاری پوزیشن کیا ہوگی، کیا وہ غیر سرکاری زبان سمجھی جائے گی یا سرکاری زبان سمجھی جائے گی۔ اس لئے کہ جو زبان علاقائی زبان قرار دی جائے، وہ غیر سرکاری زبان نہیں ہو سکتی۔ حافظ صاحب کے بیان کا ایک خطرناک پہلو یہ بھی ہے کہ اردو کو ایک غیر سرکاری زبان کہہ کے یوپی کی حکومت نے عملاً علاقائی زبان قرار دینے کے مطالبہ کو رد کر دیا ہے، یا کم سے کم جہاں تک اس معاملہ سے یوپی کی حکومت کا تعلق ہے اس نے یہ پوزیشن صاف کر دی ہے کہ وہ اردو کو علاقائی زبان نہیں مان سکتی اور اسے ایک غیر سرکاری زبان سمجھتی ہے ہم ایک بار پھر کہیں گے کہ اردو کے حامیوں کے ایک وفد کو یوپی کی حکومت کے ذمہ داروں سے فوراً ملاقات کرنی چاہئے اور حافظ صاحب کے بیان کے مختلف پہلوؤں پر اس کی واضح اور صاف رائے معلوم کرنی چاہئے۔

(آستانہ دہلی اپریل ۱۹۵۸ء)

نام نہاد مراعات

* اتر پردیش میں (اردو کو) جو نام نہاد مراعات دی جا رہی ہیں۔ (شاید اس لئے کہ علاقائی زبان کے مسئلے کو کمزور کیا جائے) وہ محض انتظامی کارروائی ہے۔ جس کی کوئی آئینی حیثیت نہیں۔

اور اس طرح اردو زبان کا بنیادی سوال حل نہیں ہو سکتا اسی کو حل کرتا ہے۔ ریاستی حکومت کی انتظامی کارروائیوں سے مغالطہ میں مبتلا نہیں ہوا جا سکتا۔"

یہ انجمن ترقی اردو علی گڑھ (مرکزی) کے ترجمان پندرہ روزہ "ہماری زبان" کے ایڈیٹوریل کی چند سطریں ہیں۔ جو آپ کے سامنے ذکر ہوئیں۔ لاریب حکومت یو۔پی اردو کے لئے نام نہاد مراعات کے محض اعلان سے اردو کے حامیوں کو مغالطہ میں مبتلا کر رہی ہے۔ اس طرح کے اعلان پر عمل درآمد بھی شاید ہی کہیں ہوتا ہو۔ ابھی ایک سال ہوا کہ جونیر ہائی اسکول کے تین درجوں میں اردو کے لئے گنجائش نہ رکھ کر سررشتہ تعلیم نے کیری کولم مرتب کیا تھا اور پورے سال بعد تیم دھاڑ کے بعد اس کی اصلاح کی گئی۔ مگر اسکولوں میں اس اصلاح سے متعلق حکومت کے جاری کردہ احکام کا کہیں پتہ نہیں لگتا۔

اسی طرح کی رکاوٹیں اور خلل اندازیاں تو علاقائی زبان بن جانے کے بعد بھی ہونی متوقع ہیں۔ اصل سوال اردو زبان کو یوپی کے لئے سرکاری حیثیت سے ثانوی زبان تسلیم کرنے اور اس کے لحاظ سے اسے صوبے کے ہر سرکاری شعبے میں حقوق حاصل ہونے کا ہے۔ یہ بات نام نہاد مراعات کے ذریعہ نہیں حاصل ہو سکتی اور فی الحقیقت یہ رعائتیں اور ان کا پروپیگنڈہ اسی لئے ہے کہ علاقائی زبان کے مطالبے کو کمزور ہی نہیں، بلکہ اردو کے حامیوں کے اذہان سے نسیاً منسیا کرا دیا جائے۔ . . . .

(ہماری آواز کانپور)

اردو کی مخالفت کی افسوسناک داستان

یہاں یوپی میں اردو زبان کی مخالفت کی افسوسناک داستان کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ لیکن آج جبکہ اس معاملے میں ایک مرتبہ پھر ریاست کی حکومت نے اپنی حکمت عملی کی وضاحت کی ہے۔ ہم یہ دریافت کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ کیا وہ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کو اردو میں کام کرنے کی نہ صرف اجازت ہی دے گی بلکہ اپنے تازہ ترین اعلان کے مطابق انھیں مناسب سہولتیں بھی بہم پہنچائے گی، اسے عدالتی کاموں کو اردو میں انجام دینے پر کوئی اعتراض تو نہ ہوگا اور کیا وہ مستقبل میں اپنی مطبوعات اور اعلانات وغیرہ کو اردو زبان میں بھی شائع کیا کرے گی؟ اور اگر وہ ان اقدامات کے لئے تیار نہیں ہے تو پھر اس کا اعلان کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ ــــــ یوپی میں بولی جانے والی دوسری زبانوں کی طرح اردو زبان کی بہت افزائی اور رعایت کے لئے بھی تیار ہے ــــــ اور اس صورت حال کے پیش نظر اگر یوپی اسمبلی کی حزب اختلاف کے رہنما شہزادہ خان نے ـــ

اردو زبان سے متعلق حکومت کے مذکورہ بالا اعلان کو ایک "انتخابی" چال قرار دیا ہے تو ان کے اس خیال کی تکذیب کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔

بہرحال یوپی کی حکومت نے اردو زبان سے متعلق اپنی جس حکمت عملی کا اعلان کیا ہے وہ کم و بیش ان مطالبات کے مطابق ہے جو یوپی میں اردو کے بقا کے حامیوں نے اپنی اس عرضداشت میں مدون کئے تھے۔ جو تقریباً ڈیڑھ سال قبل صدر جمہوریہ ہند کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔ اور جس پر ریاست میں بسنے والے ۲۲ لاکھ افراد کے دستخط ثبت تھے۔ صدر جمہوریہ کی جانب سے اس وقت تک اس عرضداشت کا کوئی جواب موصول نہیں ہوا اور جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ اردو کو یوپی میں ثانوی علاقائی زبان قرار دلانے کی تحریک کے رہنماؤں نے اس مدت میں صدر جمہوریہ کو اپنی مذکورہ بالا عرضداشت کے فیصلہ کی جانب توجہ بھی نہیں دلائی۔ لیکن ماضی میں اس مسئلہ سے متعلق صدر جمہوریہ ہند اور یوپی میں اردو کو ثانوی علاقائی زبان قرار دئے جانے کا مطالبہ کرنے والوں کا طرز عمل خواہ کچھ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ لیکن اب جبکہ یوپی کی حکومت کا مذکورہ بالا اعلان ہمارے سامنے ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں۔ اس مسئلہ پر صدر جمہوریہ کی توجہ کو از سر نو مبذول کرانا چاہئے اور اس بات کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے کہ جب تک اردو زبان کو یوپی کی ایک علاقائی زبان تسلیم نہیں کر لیا جائے گا۔ ریاستی حکومت کی مذکورہ بالا نئی حکمت عملی کے اعلان سے بھی ان تخریبی سرگرمیوں کا سدباب ممکن نہیں ہو سکتا جو اردو کو مٹانے کے لئے جاری ہیں۔ (جدوجہد دہلی)

اردو علاقائی زبان کا میمورنڈم

اردو علاقائی زبان کا میمورنڈم صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے مگر ابھی اس کا کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے۔ معلوم نہیں انتظار کی یہ مدت کب تک بڑھے گی۔ در حقیقت مرکزی حکومت خود اس بارے میں کشمکش میں مبتلا ہے۔ ایک طرف انڈیا کے دستور میں اردو کو بھی ہندوستان کی چودہ زبانوں میں ایک زبان مانا گیا ہے۔ پنڈت جواہر لال نہرو بھی اس کی حمایت میں ہیں۔ لیکن اکثریت اس کے مخالفین کی ہے۔ ایسی حالت میں ان کے خلاف فیصلہ کرنا آسان نہیں ہے۔ مگر اس انتظار سے تو یہ کہیں بہتر تھا کہ کوئی نہ کوئی فیصلہ ہو جاتا۔ خواہ وہ خلاف ہی کیوں نہ ہوتا۔ امید و بیم کی یہ کیفیت تو ختم ہوتی اور اردو کے حامی کوئی دوسرا طریقہ اختیار کرتے۔

(معارف۔ اعظم گڑھ مارچ ۵۸ء)

جوابی اُمور کے لئے دو آنے کا ٹکٹ یا جوابی کارڈ آنا ضروری ہے (منیجر)

انجمن کی خبریں

دہلی گذشتہ ماہ میں درگاہ نظام الدین میں جہاں غالب کا مزار ہے دہلی کے تمام ممتاز ادیب اور شعرا جمع ہوئے اور انجمن ترقی اردو دہلی کے زیر اہتمام "یوم غالب" منایا گیا۔ سہ پہر کو ۳ بجے یہ تقریب شروع ہوئی اور سب سے پہلے سنگ مرمر کی جدید تعمیر شدہ قبر پر پھول چڑھائے گئے۔ ایرانی سفیر ڈاکٹر حکمت نے تقریب کا افتتاح کیا۔ انھوں نے اپنی تقریر میں غالب کی شاعری کے اعلیٰ کمالات کا ذکر کیا اور خاص طور پر اس طرف اشارہ کیا کہ یوم غالب منانے کے لئے بلا تفریق مذہب و ملت سکھ، مسلمان اور ہندو سب جمع ہوئے ہیں۔

جلسہ کی صدارت ڈاکٹر عبد العلیم صاحب پروفیسر مسلم یونیورسٹی نے کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں غالب کی شاعری اور شخصیت پر روشنی ڈالی۔ ممتاز شعرا نے اس تقریب کے متعلق اپنی نظمیں سنائیں۔

دوسری نشست میں جو بعد مغرب شروع ہوئی غالب کی غزلوں کو موسیقی کے لباس میں ڈھال کر گایا گیا۔

آخر میں حمیدہ سلطان صاحبہ سکریٹری انجمن ترقی اردو دہلی نے جن کی کوشش اور محنت سے اس شاندار تقریب کا انتظام ہوا تھا معززین کا شکریہ ادا کیا۔

میل وشارم ۱۸ مارچ ۵۸ء کو میل آباد میل وشارم ریاست مدراس میں انجمن ترقی اردو کی شاخ کا قیام عمل میں آیا اور ایک عام جلسہ کیا گیا جس کی صدارت عزیز صاحب بنگلوری نے کی اور مندرجہ ذیل عہدہ دار منتخب کئے گئے۔

صدر :۔ ایس۔ ایم حاجی عبد الجلیل صاحب
نائب صدر :۔ ٹی۔ محمد رحمت اللہ صاحب
سکریٹری :۔ اے۔ احمد بادشاہ صاحب ایم۔ اے
جائنٹ سکریٹری :۔ ایل۔ محمد عبید اللہ صاحب
خازن :۔ ایم عبد الرحمٰن صاحب بی۔ اے۔

ان صاحبوں کے علاوہ ۲۱۔ اراکین پر مشتمل ایک مجلس انتظامیہ کی تشکیل کی گئی۔ (نامہ نگار)

دہلی انجمن ترقی اردو شاخ دہلی۔ انتظامیہ کمیٹی کی میٹنگ مالک رام صاحب کی صدارت میں اردو کے مسئلے پر غور کرنے کے لئے ۱۲ مارچ ۵۸ء کی شام کو ہوئی۔

دہلی حکومت کا مزاج پچھلے سال تک بالکل معتدل تھا لیکن دہلی میونسپل کمیٹی میں نئے صدر کے آنے کے بعد تبدیلی شروع ہو گئی بورڈ بدلے گئے آئندہ میونسپل کمیٹی کے ریکارڈ اردو میں نہ رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ابھی اس تشویشناک صورت حال پر ہم غور کر ہی رہے تھے

کہ دہلی صوبہ کی وزارت بدلی اور ہمارے نئے چیف منسٹر صاحب نے فرمادیا کہ آئندہ سال سے دہلی حکومت کی زبان اردو نہیں ہوگی ان کے اس غیر ذمہ دارانہ بیان سے دہلی والوں میں بے چینی پھیل گئی۔ دہلی میں اردو نے آنکھ کھولی ہیں پلی بڑھی۔ دہلی کا ہر باشندہ بلاتفریق مذہب وملت اردو بولتا ہے میرے پاس متعدد ٹیلی فون آئے کئی لوگوں نے مجھ سے پوچھا کہ انجمن اس سلسلے میں کیا کر رہی ہے۔ اس لئے ہماری انتظامیہ کمیٹی نے اراکین سے مشورہ کیا۔ لالہ دھرم پال گپتا وفا صاحب۔ مالک تیج نے تجویز پیش کی کہ دہلی کے تمام اخبار نویس و پبلشر کی میٹنگ بلائی جائے۔ پرکاش پنڈت صاحب ایڈیٹر فن کار نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ ۲۰ مارچ کی شام کو زیر صدارت مولانا حفظ الرحمن صاحب یہ جلسہ منعقد ہوگا۔ جس میں اردو کے شیدائی اس کے متعلق غور کریں گے

(حمیدہ سلطان)

مہرونا۔ ضلع دیوریا

محمد احسن صاحب نشاط (علیگ) مہرونوی مطلع فرماتے ہیں کہ مئی کے آخری ہفتے میں مہرونا ضلع دیوریا کے حامیان اردو کی طرف سے ایک عام جلسہ منعقد ہوگا۔ جس میں دینی تعلیم کی ضرورت اور اردو زبان کے اہم ترین مسئلے پر ارباب فکر ورائے نہ صرف اپنے اعلیٰ خیالات کا اظہار کریں گے بلکہ آسان سے آسان طریق کار بھی بتائیں گے۔ اسی سلسلے میں ایک مشاعرہ اور بچوں کا انعامی تقریری مقابلہ بھی ہوگا۔ جس میں صرف مہرونا کے وہ طلبا حصہ لیں گے جو مقامی اسکولوں اور کالجوں میں زیر تعلیم ہیں تقریر کا عنوان یہ ہوگا۔

"کسی ملک کی ترقی کے لئے زبان کا ایک ہونا ضروری ہے"

جلسہ کی صدارت کے لئے مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن صاحب سے درخواست کی جارہی ہے اور حسب ذیل شعرا کو مشاعرے میں شرکت کی دعوت دی گئی ہے۔

دل لکھنوی صاحب، نذیر بنارسی صاحب۔ عارف بلیاوی صاحب ظہیر مفتاحی صاحب۔ شرر بلیاوی صاحب۔ آصف صاحب اور حسن شمسی انور صاحب۔ مشاعرے کی صدارت جانشین داغ استاد نوح کے شاگرد رشید حافظ شفیق الرحمن صاحب شفیق الہ آبادی نے منظور فرمائی ہے جلسے کا افتتاح مولانا خیر بہوروی صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ فرمائیں گے۔ یہ جلسہ چونکہ مہرونا کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے اس لئے مہرونا کے ہر اردو دوست کا فرض ہے کہ اس کو کامیاب بنانے کے لئے ابھی سے کام شروع کردے۔

(نامہ نگار)

مدراس

ایک جلسے میں طے کیا گیا ہے کہ محبان اردو کی ایک دوسری کانفرنس ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ مارچ کو مدراس میں منعقد کی جائے جس میں اردو کے متعلق ادبی اور علمی موضوعات پر مقالے پڑھے جائیں گزشتہ عظیم الشان کانفرنس کا یہ اثر ہوا ہے کہ اب مدراس میں اردو زبان کے حامیوں میں ایک نئی زندگی پیدا ہوگئی ہے اور اردو کی تحریک کے ہر گوشے میں حرکت نظر آتی ہے۔

غازی پور

محمد عزیز الحسن صدیقی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو غازی پور اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:۔

غازی پور میں اردو کے احیا کے سلسلے میں کافی کامیابی حاصل ہوچکی ہے پھر بھی بعض مشکلات ایسی ہیں جن پر قابو حاصل کئے بغیر اردو کا مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔

محکمہ تعلیم نے مشروط طریقہ پر اردو کی تعلیم جاری کرنے کا سرکلر اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ء میں جاری کیا جس پر بجز چند اضلاع کے پورے صوبے میں عمل بھی نہیں ہوسکا ہے اور ڈائرکٹر نے جولائی سنہ ۱۹۵۴ء میں صوبہ بھر کے پرائمری اسکولوں میں جو پاٹھیہ کرم روانہ کیا ہے اس کے صفحہ ۲ پر درج ہے کہ بیسک اسکولوں میں ہندی بہرحال پہ تھم، بھاشا کے روپ میں پڑھائی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ پاٹھیہ کرم تمام ہیڈ مدرسین کو مل چکا ہے اور سرکلر کی حالت یہ ہے کہ اب تک اس کے فائل سے باہر نکلنے کی نوبت نہیں آئی۔ پاٹھیہ کرم ہندی زبان میں ہے۔ اور اس میں صاف طور پر لکھا ہے کہ ہندی بہرحال ذریعہ تعلیم ہوگی۔ بعض مدرسین نے دبی زبان سے کہہ دیا ہے کہ اکتوبر کے بعد جو آرڈر ہمیں موصول ہوا ہے وہی صحیح ہے یہاں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر حکومت واقعی اردو کو اس کا جائز حق دینا چاہتی ہے تو پاٹھیہ کرم میں ترمیم کیوں نہیں کرتی۔ غالباً پاٹھیہ کرم ہر سال نہیں طبع کرایا جاتا بلکہ وقت ضرورت ترمیم کردی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں میری یہ تجویز نوٹ فرمائی جائے۔

انجمن کا ایک وفد ڈائرکٹر سے ملاقات کرے اور ان کی توجہ پاٹھیہ کرم (نصاب تعلیم) کی طرف مبذول کرا کر ان سے مطالبہ کرے کہ ایک سرکلر کے ذریعے فوراً صوبے کے تمام ہیڈ مدرسین کو ہدایت کی جائے کہ پاٹھیہ کرم سنہ ۱۹۵۵ء کے صفحہ ۲ کی وہ عبارت جو بیسک اسکولوں سے متعلق ہے منسوخ کی جاتی ہے۔ ساتھ ہی یہ مطالبہ بھی کیا جانا ضروری ہے کہ دس کے بجائے پانچ کی شرط رکھی جائے۔

دوسری دقت یہ درپیش ہے کہ جن اسکولوں میں چالیس طلبا اردو پڑھنے والے نہیں ہیں بلکہ صرف دس لڑکے بمشکل داخل ہوسکے ہیں ان کے ہیڈ مدرسین کہا کرتے ہیں کہ جی۔ او میں صرف چالیس یا دس کی شرط لازمی قرار دی گئی ہے۔ یہ نہیں لکھا ہے کہ درجہ اول و دوم کے ان طلبا کو جو اردو پڑھ رہے ہیں اگلے تمام کلاسوں میں اردو ہی میں تعلیم دی جائے گی خواہ دس کی تعداد پوری نہ ہوتی ہو۔ اس لئے اگلے کلاسوں میں تعداد کم ہونے کی صورت میں ہم ہندی ہی پڑھا سکتے ہیں۔

افسران متعلقہ سے مل کر ایسا سرکلر جاری کرانا ضروری ہے جس میں ہیڈ ماسٹروں کو ہدایت کی جائے کہ دس کی شرط

ابتدا ہی میں لازمی قرار دی گئی ہے۔ ہر درجہ میں دس طلبا کی تعداد ضروری نہیں بلکہ جن لڑکوں نے کسی درجہ میں بھی بطور مادری زبان اردو میں تعلیم حاصل کی ہے۔ انھیں پانچویں درجہ تک اردو ہی میں تعلیم دی جائے گی۔

محکمہ تعلیم نے اکتوبر ۶۸ء میں جو سرکلر جاری کیا ہے اس میں یہ تشریح نہیں کی گئی ہے کہ پرائمری اسکولوں میں کس درجہ تک اردو پڑھائی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ جو طلبا بالکل ہی ہندی سے ناواقف ہوں گے وہ جونیر ہائی اسکولوں میں داخل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان اسکولوں میں سردست اردو کے لئے کوئی گنجائش نہیں نظر آتی۔ ایس۔ ڈی آئی حلقہ زمانیہ نے مجھ سے کہا کہ جن اسکولوں میں شرط پوری کر دی گئی ہے وہاں ہم نے اردو کی تعلیم کا معقول انتظام تو کر دیا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ پانچویں درجات میں اردو پڑھائی جائے گی یا صرف تیسرے درجے تک اور یہ کہ ہندی کی تعلیم کس درجے سے شروع ہوگی؟ میں نے جواب دیا کہ جس درجہ تک اسلامیہ پرائمری اسکولوں میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی درجہ تک بیسک اسکولوں میں بھی اردو پڑھائی جائے گی یعنی تیسرے درجہ تک اردو اور پھر درجہ چہارم اور پنجم میں ہندی کی اتنی تعلیم دے دی جائے کہ وہ جونیر اسکول میں بآسانی داخل ہو سکیں۔ ایس۔ ڈی آئی مذکور احقر کے جواب سے مطمئن تو ہوئے لیکن ان کا کہنا ہے کہ اس سلسلے میں سرکاری حکم کی سخت ضرورت ہے۔ واقعی قیاس آرائی سے یہ مسئلہ حل بھی نہیں ہو سکتا۔

وزیر تعلیم سے ملنے کے بجائے ڈائرکٹر سے وفد ملاقات کرے اور ان کے سامنے تفصیل کے ساتھ سارے مطالبات پیش کرے تو موجودہ مشکلات دور ہو سکتی ہے۔ پرائمری اسکولوں میں اردو کے اجراء کے سلسلے میں جو سرکلر جاری ہوا ہے وہ اس قدر مبہم ہے کہ آئے دن مدرسین اور متعلقہ افسران اس پر اعتراض کیا کرتے ہیں۔ اس سرکلر میں صرف یہ لکھا ہے کہ جو لڑکے اردو میں پڑھنا چاہیں انھیں اردو میں تعلیم دی جائے۔ ہندی کا کہیں ذکر نہیں ہے حالانکہ بطور زبان دیگر ہندی کی تعلیم از بس ضروری ہے جس کا معیار ہندی بیسک ریڈر ہے۔ بعض اسکولوں میں ہندی قطعاً نہیں پڑھائی جاتی کیونکہ سرکلر میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ جونیر ہائی اسکول کے پہلے ہی درجہ میں اردو کے لئے دروازہ بند ہے۔ ظاہر ہے کہ اس وقت جو بچے صرف اردو میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ جونیر اسکول میں داخل نہیں ہو سکتے۔

بحالت موجودہ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ جونیر ہائی اسکول کے کریکولم میں ترمیم کرائی جائے اور سنہ ۶۸ء میں جو آسانیاں تھیں اب بھی بہم پہنچائی جائیں۔

جو والدین اپنے بچوں کو اردو پڑھا رہے ہیں انھیں اگر معلوم ہو جائے کہ جونیر اسکول میں ابھی تک اردو کے لئے گنجائش نہیں ہے تو یقیناً وہ پریشان ہوں گے اور خطرہ ہے کہ کہیں اردو کی تعلیم بند نہ کرا دیں۔ اب حامیان اردو کے سامنے پرائمری اسکولوں کے ساتھ ساتھ جونیر ہائی اسکولوں کا مسئلہ بھی ہے اور اسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جونیر اسکول کے متعلق حیات اللہ انصاری کا بیان نظر سے گزرا تھا۔ اس کے دیکھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اردو یا انگریزی کے بجائے اردو اور انگریزی کی شرط منظور ہو چکی ہے۔ لیکن ابھی تک اس قسم کا کوئی سرکلر انسپکٹر، ڈپٹی انسپکٹر یا سب ڈپٹی انسپکٹروں کے پاس نہیں آیا ہے۔ اگر واقعی حکومت نے کریکولم میں تبدیلی کرنا منظور کر لیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ ہر ہر ضلع کے ڈسٹرکٹ انسپکٹر اور ڈپٹی انسپکٹر کے آفس میں سرکلر روانہ کرے تاکہ موجودہ مشکلات ختم ہوں۔

گل خنداں جونیر اسکولوں کے درجہ ہشتم کے لئے منظور شدہ کتاب ہے مگر نایاب ہے۔ اس کی اشاعت کا انتظام ہونا چاہئے۔ یا اگر اس کی جگہ کوئی دوسری کتاب منظور شدہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ مشکور ہوں گا بیسک جونیر اسکولوں کے بارے میں احقر نے ظفر الدین احمد صاحب اسپشل آفیسر کو بھی توجہ دلائی ہے لیکن تا ہنوز جواب نہیں موصول ہوا۔

رتسر ضلع بلیا

رتسر ضلع بلیا کے طلبا نے جو علی گڑھ میں زیر تعلیم ہیں اپنے ایک جلسے میں طے کیا ہے کہ شروع جون میں ایک ادبی کانفرنس کی جائے۔ گزشتہ سال رتسر ضلع بلیا میں وہاں کی انجمن ترقی اردو کی طرف سے جو ادبی جلسہ اور مشاعرہ ہوا تھا اور جن لوگوں نے اس میں شرکت کی تھی ان کا اندازہ ہے کہ اہل رتسر نے کس طرح پورے ذوق اور انہماک کے ساتھ اس میں حصہ لیا تھا اور اسے کامیاب بنایا تھا۔

کانفرنس کی ایک مجلس استقبالیہ بھی بنا دی گئی ہے۔ جس کے صدر وکیل احمد صاحب علیگ بلیاوی منتخب ہوئے ہیں اور سکریٹری مشتاق احمد صاحب بلیاوی کو بنایا گیا ہے۔

کانفرنس رتسر کی انجمن ترقی اردو کی نگرانی میں ہوگی۔ جس کے جنرل سکریٹری صغیر احمد صاحب بلیاوی بی۔ ایس۔ سی علیگ ہیں۔ کانفرنس کی صدارت کے لئے ابو الفضل مولانا عبد الحفیظ بلیاوی صاحب سے درخواست کی گئی ہے۔ جن کی مشہور کتاب اردو عربی لغت پر صوبے کی حکومت نے انعام پیش کیا ہے۔ امید کی جاتی ہے کانفرنس میں مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی استاد دار العلوم دیوبند بھی تشریف لائیں گے اور انھیں سے کانفرنس کے دینی تعلیمی اجلاس کے افتتاح کی درخواست کی جائے گی۔ کانفرنس میں دینی تعلیم کا مسئلہ خصوصیت کے ساتھ پیش ہوگا۔ جو وقت کا اہم مسئلہ ہے اور جس کے لئے مولانا حفظ الرحمن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند بڑی محنت کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔

رتسر کے ان اصحاب ذوق سے کانفرنس کو کامیاب بنانے کے سلسلے میں مراسلت شروع کر دی گئی ہے۔ جو بسلسلہ تجارت آسام بنگال اور دوسرے مقامات پر مقیم ہیں۔

(نامہ نگار)

دہلی

حکومت ہند کی وزارت تعلیمات نے ہندوستان کی چودہ زبانوں میں لکھی ہوئی بہترین کتابوں پر انعامات دینے کا فیصلہ کیا تھا اور اب پندرہ اگست ۱۹۴۷ء سے لیکر یکم دسمبر ۱۹۵۴ء تک یان زبانوں میں جو کتابیں لکھی گئیں ان پر انعامات دیے جانے کا اعلان کر دیا گیا ہے۔

ان زبانوں میں آسامی۔ بنگالی۔ گجراتی۔ مراٹھی۔ ہندی۔ کنناڑی ملیالم۔ اڑیا۔ پنجابی۔ تامل۔ تیلگو اور اردو شامل ہیں۔

اردو کی کتاب "غالب اور شیت" مصنفہ ڈاکٹر ظفر احمد خاں کو پچھلے سات سال کے عرصے میں شائع ہونے والی تمام اردو کتابوں میں بہترین مان کر اس پر پانچ ہزار روپے انعام دیا گیا ہے۔

ہندی کی کتاب "ہم ترنگنی" مصنفہ ماکھن لال چترویدی کو بھی ایک انعام مبلغ پانچ ہزار روپیہ دیا گیا۔

پنجابی ادب کی بہترین کتاب "میرے سیاں جیو" مصنفہ بھائی ویر سنگھ تسلیم کی گئی اور اس پر بھی پانچ ہزار روپیہ انعام دیا گیا ہے۔

ان کتابوں کو ساہتیہ اکاڈمی کی سفارش پر بہترین تسلیم کیا گیا ہے اعلان کیا گیا تھا کہ سنسکرت اور انگریزی کی کتابوں پر بھی انعام دیا جائے گا۔ مگر آزادی کے بعد سے اب تک سنسکرت اور انگریزی میں کوئی کتاب ایسی شائع نہیں ہوئی جس کو انعام کے قابل سمجھا جا سکتا۔

کالکا (مشرقی پنجاب)

۲۰ مارچ کی رات میں بہ مقام دھرم شالہ انجمن ترقی اردو (ہند) کی مقامی شاخ کے اہتمام میں زیر صدارت سردار سنت سنگھ صاحب ایک شاندار مشاعرہ ہوا۔ مقامی شعرا آنند سرحدی۔ ناشاد طاہری۔ مدن لال مینگش۔ فریاد نیلومی اور شمار دھیاوی کے علاوہ مشہور رباعی گو شاعر اختر رضوانی جوش انبالوی۔ نادر انبالوی۔ پروفیسر بیتاب نے اپنا کلام سنایا۔ اور اختر رضوانی صاحب نے اردو زبان کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے اسے ہندو مسلم اتحاد کا ضمیر دار بتایا۔ اور اپنے مخصوص انداز میں اپنی کئی رباعیاں سنائیں۔ پروفیسر بیتاب نے لاڈلے بیٹے کی جوانی کے عنوان سے ایک اصلاحی نظم پڑھی جو بے حد پسند کی گئی۔

اس تقریب کو کامیاب بنانے میں کرانتی کمار میونسپل کمشنر لالہ شیام جین۔ پی سی دت میونسپل کمشنر۔ مستری ہری چند اور مسٹر سود۔ آف ہماچل ٹرانسپورٹ نے خاص طور پر حصہ لیا۔ کالکا کی تاریخ میں یہ پہلا مشاعرہ تھا جسے سننے کے لئے عوام اور ادب دوست حضرات نے بہ تعداد کثیر شرکت کی۔

(نامہ نگار)

مدراس

اے۔ جے جلال الدین صاحب جنرل سکریٹری اے۔ جے اردو سیمنار مدراس تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

سیمنار کا سالانہ جلسہ اور مشاعرہ ۱۲ اپریل کو ہوگا جس میں ملک کے مشاہیر ادبا اور شعرا شرکت فرمائیں گے۔

سیمنار کا مشاعرہ اور جلسہ چونکہ اپنی خصوصیات کے لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لئے اس کی کارروائی محفوظ رکھی جاتی ہے اور شائع کی جاتی ہے۔ گزشتہ سال کی کارروائی "فانوس خیال" کے نام سے شائع ہو چکی ہے جسے ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اس سال کے جلسے کی کارروائی اور مشاعرے کی روداد شعرائے کرام کی تصاویر کے ساتھ شائع کی جائے گی۔

علی گڑھ

جانشین داغ حضرت نوح ناروی دہلی سے اپنے وطن نارہ جاتے ہوئے دن بھر کے لئے علی گڑھ اپنے عزیز قاری حسام الدین صاحب کے مکان پر ٹھہرے اور ڈاکٹر موہن لال سے مل کر اپنی آنکھوں کے اپریشن کے سلسلے میں باتیں کیں۔ سماعت کے ساتھ ساتھ نوح صاحب کی بصارت بھی بہت کمزور ہو گئی ہے۔

۱۹ مارچ کی شام کو خیر بہرو روی صاحب مددگار جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) نے اپنی جائے قیام پر آپ کو چائے پلائی۔ اس موقع پر ریاض خیر آبادی مرحوم کی خمریات داغ کی شاعری اور منشی امیر مینائی اور داغ مرحوم کے تعلقات پر بھی باتیں ہوئیں۔

خیر صاحب نے مرحوم ریاض کی ایک غیر مطبوعہ غزل انہیں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی نوح صاحب کو دکھائی اور کئی ایسے اشعار بھی سنائے جو ان کے شائع شدہ دیوان "ریاض رضواں" میں نہیں ہیں۔ ریاض مرحوم خیر صاحب پر بزرگانہ شفقت فرماتے تھے اور ان کو بہت عزیز رکھتے تھے

استاد نوح صاحب نے بھی اپنی علالت اور ضعف کے باوجود کئی رباعیاں سنائیں اور اپنی ایک نئی غزل بھی خیر صاحب کو دکھائی

عرصہ ہوا خیر صاحب نے حضرت نوح کے شاگردوں سے نوح صاحب کی جوبلی منانے کی اپیل کی تھی کہ نوح صاحب نے اردو زبان کی بڑی خدمت کی ہے اور ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی کافی تعداد بھی ہندوستان میں موجود ہے۔ پھر بھی ان کی جوبلی کے پروگرام کو عملی جامہ نہیں پہنایا گیا یہ ان کے شاگردوں کیلئے بالخصوص شرم کی بات ہے۔

یہ کام ضروری ہے اس سے اردو کے ایک مخلص اور دیرینہ خادم کی حوصلہ افزائی ہوگی اور یہ اردو کی خدمت کا بھی ایک ذریعہ ہے اس لئے حامیان اردو سے درخواست ہے کہ وہ نوح صاحب کی جوبلی منانے کے سلسلے میں عملی اقدامات کریں اور ان کے شاگرد اس کام کا آغاز کریں۔

(نامہ نگار)

دھمپد مہاتما بدھ کے تلقینات کا منظوم اردو ترجمہ ہے جو بدھ مت کی تعلیم کا بنیاد ہے۔ ترجمہ شیشور پرشاد منور لکھنوی نے کیا ہے جو ترجمے کے گُر سے واقف ہیں اور جن کے ترجمے وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ (قیمت مجلد تین روپے)

تبصرے

سیاسیات کے اصول

پروفیسر ہارون خاں شروانی اپنی ادبی اور تاریخی تصنیف و تالیف کی مقبولیت کے باعث اردو دنیا میں محتاج تعارف نہیں۔ موصوف کی کتاب "سیاسیات کے اصول" تین جلدوں پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد میں سیاست کی اہمیت، حکومت کے مختلف نظریے اور اس کے نفاذ و عمل سے متعلق بحث کی ہے۔ دوسری جلد میں حکومت کے مختلف شعبوں پر دنیا کے بہترین دستور جس میں ہندوستان کا بھی دستور شامل ہے، سے مثالیں دے کر تبصرہ کیا ہے۔

تیسری جلد میں حکومت کے ضابطے اور اس کی صورت حال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ کتاب کے آخر میں مصنف نے اصطلاحی الفاظ کی ایک طویل فہرست اردو کے مناسب لفظوں کے ساتھ دی ہے امید کی جاتی ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ سے دوبارہ علم و آگہی حاصل ہوگی اور سیاست کے قدردان عام طور پر اسکو محفوظ رکھیں گے

(ایم ایس، گورکھپور)

میر تقی میر، حیات اور شاعری

ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اس کتاب کی ترتیب و تہذیب میں جس ژرف نگاہی اور دیدہ وری کا ثبوت دیا ہے، وہ قابل صد تحسین و آفرین ہے۔ تذکرۂ میر عرصے سے اہل ادب کے سامنے تھا۔ مگر فاروقی صاحب سے پہلے کسی نے بھی اس اہم کتاب میں میر کی زندگی کا عکس دیکھنے کی کوشش نہ کی۔ اب میر کا انداز سخن ایک طبعی اور قدرتی طرز ادا معلوم ہونے لگا۔ اور ان کے غم عشق کی گہرائی اور گیرائی نے ایک فطری نتیجے کی شکل اختیار کرلی ہے

مجھے سب سے زیادہ جو بات بھائی وہ ڈاکٹر فاروقی کا شگفتہ طرز بیان اور منصفانہ نقد ہے جس کی مثالیں ہمارے ادب میں اب تک کم ہیں۔

میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ خواجہ احمد فاروقی صاحب کی یہ کتاب عرصے تک اہل قلم کے لئے متوازن تنقید اور غیر عقیدت مندانہ قسم کی سوانح نگاری کے اعلیٰ نمونے کا کام دیتی رہے گی۔

(امتیاز علی خاں عرشی)

نفسیات افواہ

اردو میں اس موضوع پر یہ پہلی کتاب ہے جو عثمانیہ یونیورسٹی کے پروفیسر مقصود ولی الرحمن نے بڑی محنت اور کاوش سے لکھی ہے اس میں افواہوں کی نوعیت کا نفسیاتی نقطۂ نگاہ سے تجزیہ کیا گیا ہے۔

(قیمت ایک روپیہ بارہ آنے)

انجمن کی مطبوعات

باپو کے قدموں میں

صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے گاندھی جی کے ساتھ اپنی ابتدائی سیاسی زندگی کا حال بہت دلچسپ پیرائے میں لکھ کر شائع کرایا تھا۔ لیکن وہ کتاب دیوناگری رسم خط میں تھی۔ اس لئے محترم صدر کی اجازت سے انجمن نے اسے اردو رسم خط میں منتقل کیا ہے۔

طباعت بہترین ٹائپ کی ہے اور بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ انجمن نے اس سے دیدہ زیب اور خوبصورت کتاب ابھی تک کوئی اور شائع نہیں کی۔ فاضل سوانح نگار کے اعلیٰ مرتبے کا لحاظ کرکے انجمن نے اس کتاب کو بڑے اہتمام سے شائع کیا ہے۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد کے قلم سے گاندھی جی کی تعلیمات کا مطالعہ بہت ہی دلچسپ ہے اور اس قابل ہے کہ ملک کے ہر کتب خانے میں جگہ پائے۔ اس کتاب کو تین حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ اور ہر حصے کی قیمت پانچ روپیہ ہے اور مکمل سٹ کی قیمت پندرہ روپے۔

احوال غالب

(مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو)

غالبیات کے اس سلسلے کی پہلی کتاب ہے جو انجمن شائع کرنا چاہتی ہے۔ ملک میں اصحاب ذوق اور اہل نظر نے اس کتاب پر بہت پرجوش خیر مقدم کیا ہے۔ فاضل مؤلف غالبیات پر بہت وسیع نظر رکھتے ہیں۔ اور اس موضوع کے مسلم ماہر ہیں جس محنت اور وسعت نظر کے ساتھ یہ کتاب مرتب کی گئی ہے اس کا اعتراف ملک کے بہترین اہل علم اور ادیبوں نے کیا ہے۔

(قیمت نو روپے فی جلد)

مخدوم

(انتخاب کلام مخدوم محی الدین)

نئی نسل کے ممتاز اور ترقی پسند شاعروں میں مخدوم کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی شاعری اس بے پناہ جذبے کے تحت ان کی ابتدائی زندگی میں شروع ہوئی تھی اور بعد کی سیاسی مصروفیات میں تقریباً ختم ہوگئی تھی۔ پھر بھی جو کچھ انھوں نے لکھا وہ نئی نسل کے طاقتور احساسات کا آئینہ دار ہے۔ انجمن نے نوجوان شعراء کے کلام کے انتخابات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے۔ اسی کی ایک کڑی یہ کتابچہ بھی ہے۔

(قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے)

پرنٹر پبلشر قاضی عبدالغفار نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر مرکزی دفتر علی گڑھ سے شائع کیا۔